Urdu Studies
An international, peer-reviewed, bilingual research journal
ISSN: 2583-8784 (Online)
Vol. 4 | Issue 1 | Year 2024
Pages: 1-7

اداریہ

"اردو اسٹڈیز" کے لیے تحقیقی مقالے / مضامین کم و بیش چھ ماہ کی محنت کے بعد منتخب کیے جاتے ہیں۔ مشمولات کا انتخاب تبصروں اور تصحیح کے صبر آزما اور دقت طلب مرحلوں کے بعد انجام پاتا ہے۔ ہم قلمی معاونین کے ممنون ہیں کہ وہ مبصرین کی آرا کے مطابق مقررہ وقت پر اپنے مضامین کی ترمیم و تصحیح ہی نہیں کر دیتے، مقالہ نگاری کے رہنما اصول کی پاسداری بھی بخوشی کرتے ہیں۔ ہماری ترجیح ہوتی ہے کہ اردو زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق انگریزی میں لکھے تحقیقی مقالے / مضامین، نیز ترجمے زیادہ شائع کیے جائیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کی مدد سے اپنے ادبی سرمائے سے متعلق تحقیق و تفتیش ہی نہیں بلکہ موضوعات اور تنقید و تجزیہ کے سلسلے میں بھی ان اسکالرز کی دقت نظری کا مشاہدہ کیا جا سکے جو بیک وقت اردو کے ساتھ ہی دیگر زبانوں، بالخصوص انگریزی، کے ادب اور دوسرے بین العلومی متعلقات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے اردو کے جواں سال اسکالرز کے لیے بھی موضوعات کی نئی دنیائیں آشکار ہوتی ہیں۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عالمی سطح پر اردو زبان، ادب اور تہذیب و تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے ایسے اسکالرز کے درمیان

ISSN: 2583-8784 (Online)
Included in UGC-CARE List since October 2021
Published on August 11, 2024
http://www.urdustudies.in
https://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4.0/?ref=chooser-v1

رابطے اور مکالمے کی فضاسازگار کی جاسکے جو ادب کے بین ثقافتی روابط اور بین العلومی مطالعات میں اس ذخیرۂ ادب کے لسانی، تہذیبی اور فکری پس منظر کے نئے ابعاد کے متلاشی ہیں۔

اس اعتراف میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نئے موضوعات پر اردو میں لکھے معیاری تحقیقی یا تنقیدی مضامین ہمیں کم ہی ملتے ہیں، لہذا اردو کے مقالوں / مضامین کی جیسی نمائندگی ہونی چاہیے، عام طور پہ نہیں ہو پاتی۔ تحقیق اور تنقید کی اپنی اخلاقیات ہیں جن کا تقاضہ ہے کہ انھیں بہر صورت اپنایا جائے۔

ملک عزیز ہی نہیں، پوری دنیا جس ثقافتی بحران اور اخلاقی پستی سے گزر رہی ہے اس کے پیش نظر ضرورت ہے کہ مختلف نئے ادبی اور معاشرتی نظریات، سماجی اور سیاسی محرکات، کی روشنی میں ہم از سر نو اپنے ادبی اور تہذیبی سرمایے کے نوادر کے تعین قدر کی کوشش بھی کریں۔

پیش نظر شمارے کے انگریزی حصے کی ابتدا ڈاکٹر محمد افضل کے مقالے سے کی گئی ہے۔ انھوں نے اس مفروضے پر اپنے دلائل پیش کیے ہیں کہ اردو کے ابتدائی ناولوں میں موجود اردو شاعروں کی منفی تصویر کشی دراصل اس رقابت کا مظہر تھی جو انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں شاعری اور قصہ گوئی کی مختلف اقسام کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ناول نگاروں نے کس طرح مختلف افسانوی آلات کو ادبی تشخیص کے طاقتور اوزار کے طور پر استعمال کیا۔ انیسویں صدی کے اواخر کے ہندوستان میں اردو ادبی تنقید کی تاریخ میں ابتدائی اردو ناول کی اہمیت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

پروفیسر مرسیاہر مینسن نے اپنے مقالے میں قدرت اللہ شہاب کی خود نوشت "شہاب نامہ" میں موجود صوفی عناصر کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ قدرت اللہ شہاب کے لیے تصوف اور شریعت لازم و ملزوم ہیں۔ اسلامی اقدار کی افزائش میں تصوف نے ہمیشہ ہی کلیدی کردار ادا کیا ہے، لیکن اس کی حیثیت محض ایک ابتدائی درس گاہ کی سی ہے۔ اس مطالعے میں ثقافتی تبادلے اور رابطے کے موضوعات کے ساتھ ہی ان متنوع ادبی، فلسفیانہ، اور مذہبی نیز روحانی پہلوؤں پر بھی خاطر

خواہ توجہ دی گئی ہے جن سے انسانی حالات و معاملات کے اسرار و رموز کی تفہیم میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

کلکتہ کے اخبار "آزاد ہند" کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق احمد نے اس پہلو پر اصرار کیا ہے کہ اردو صحافت نے ہمیشہ ہی سیکولر اقدار کو برقرار رکھا اور مسلم کمیونٹی میں جمہوری نظریات کو پھیلانے میں بھی ثابت قدم رہی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے قدیم ترین تعلیمی مراکز میں شامل کلکتے کا مدرسہ عالیہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ عارف الرحمن ملانے اس مدرسہ کے یونیورسٹی بننے تک کے اہم سنگ میلوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اس کی تاریخی تحریکی جہات روشن کیے ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے "آگ کا دریا" میں نوآبادیاتی طاقتوں کے ذریعہ تعمیر کردہ تاریخی داستان کو چیلنج کیا تھا۔ نوآبادیاتی دور میں، قومی ریاستوں (ہندوستان اور پاکستان) کی زبانوں کی تاریخ مستشرقین کی مرہون منت تھی۔ تاریخ لکھنے کے اس طریقے پر حیدر نے اس ناول کے ذریعہ سوالات قائم کیے تھے۔ محمد عرفان کے مقالے میں اس حوالے سے تاریخ نویسی، جدیدیت، اردو زبان، ثقافت اور تہذیب کے سوالوں کو وسیع طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر شوبی عابدی نے سعیدہ بانو کی خود نوشت "ڈگر پنگھٹ کی" میں موجود اعترافی پہلوؤں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے اس کا مطالعہ ایک انقلابی متن کے طور پر کیا ہے۔ انھوں نے یہ صراحت پیش کی ہے کہ یہ سوانح مزاحمت کی ایسی قوت فراہم کرتی ہے جس کے سبب معیار بند صنفی تقاضوں کے برخلاف عورتیں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے حق کا آزادانہ استعمال کر سکتی ہیں۔

ڈاکٹر سوہنی ساہا کے مقالے کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ فیض کی نظم "مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ"، "رقیب سے"، اور فیض کی دیگر تحریروں کی روشنی میں اردو کی روایتی / کلاسیکی شاعری

میں موجود محبت، ہجر (علاحدگی)، وصل (وحدت) کے تصورات کا مطالعہ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سنبل نسیم کا مقالہ رشید جہاں کی ان تخلیقات کے مطالعہ پر مبنی ہے جو انھیں ایسی نظیر کی صورت میں پیش کرتے ہیں جس میں ایک مضبوط اور متحرک شخصیت کے مختلف پہلو تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ڈاکٹر دھرج جتی شرما نے متنی تنقید کے ذریعہ کرشن چندر کی منتخب کہانیوں میں رومانویت اور ترقی پسندی کے درمیان محو گردش کرداروں کی متنوع حرکیات ، ان کے معاشرتی اور سیاسی سروکار کو موضوع بنایا ہے۔

تقسیم کے بعد رونما ہونے والے تشدد میں خواتین سب سے زیادہ متاثر ہوئیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اس وقت کے ادب میں خواتین کے نقطۂ نظر سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا۔ عصمت چغتائی نے گہری بصیرت اور بڑی حساسیت کے ساتھ کئی ایسی مؤثر کہانیاں لکھیں جو تقسیم کے صدمے اور خواتین کی نفسیات پر اس کے تباہ کن اثرات کو بیان کرتی ہیں۔ڈاکٹر ہما یعقوب نے اپنے مقالے میں یہ واضح کیا ہے کہ عصمت چغتائی کس طرح ایک خاتون مصنفہ کے طور پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتی ہیں اور گھر اور قوم کے تصورات پر بات کرتے ہوئے عدم برداشت کو بھی چیلنج کرتی ہیں۔

سعادت حسن منٹو کی مختصر کہانیاں مختلف انداز میں پڑھی جاتی رہی ہیں۔ منٹو کے بیشتر افسانے صدموں سے بوجھل مختلف فریم ورک اور منقسم موضوعات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے ثقافتی یادداشت کی کارکردگی کی صلاحیتیں اس طرح نمایاں کرتے ہیں کہ یادداشت کی پائدار طاقت کی گواہی بن جاتے ہیں۔ ”ٹوبہ ٹیک سنگھ “کی پیش نظر قرات ’گھر‘ کے سوال کے مستقل انکار اور التوا پر احتجاج کی روشنی میں نو آبادیاتی مخمصے کے بارے میں ایک قابل قدر بصیرت فراہم کرتی ہے۔ تکبیر صلاتی اور حذیفہ پنڈت کا مقالہ منٹو کے ذخیرۂ الفاظ کی روشنی میں امکانات کی وسیع معنیاتی (سیمیٹک) ریچ کا جائزہ لے کر منٹو کے یہاں استرداد کی جمالیات کی صورت گری بھی کرتا ہے۔

سجاد ظہیر کے افسانہ "دلاری"، اور سعادت حسن منٹو کی کہانی "ننگی آوازیں" کے کرداروں کا ایک مخصوص نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے آدرش نارائن پر بت یہ دلیل فراہم کرتے ہیں کہ کسی انسان کو بطور فرد پہچاننے کا ایک طریقہ ان حالات کو سمجھنا یا ان سے ہمدردی کرنا ہے جن میں اس نے زندگی گزاری ہے۔ مقالے میں ان کرداروں کو مرکزیت عطا کی گئی ہے جو محکوم ہیں، جن کے قریبی لوگوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کیے جانے کے سبب ان کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں بچا ہے۔ مقالے میں یہ بحث کی گئی ہے کہ ایسے کردار ایک دوسرے سے تعلق قائم کرنے کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ وہ کسی دوسرے انسان کی فردیت کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں۔

محمد علیم قریشی کا مقالہ برصغیر پاک وہند کی غیر روایتی مسلم ادیبہ، عصمت چغتائی، کی جرات مند آواز کی روشنی میں تیسری دنیا میں حقوق نسواں کے مسائل کا تجزیہ بھی کرتا ہے، اور اسے برصغیر کے تناظر میں سمجھنے کی سعی بھی کرتا ہے۔ گائتری سپیواک کے "مستضعفین" اور رابرٹ کانل کی "غالبانہ مردمی" کے نظریات کی روشنی میں "کاغذی ہے پیرہن" اور "لحاف" کے مطالعوں کی بنیاد پر مقالے میں یہ صراحت پیش کی گئی ہے کہ حقوق نسواں کی مزاحمت آج تمام شعبوں اور مباحثوں میں نظر آتی ہے، گرچہ اس کا عمیق تجزیہ اس کے اندر تضاد کی تہیں بھی نمایاں کرتا ہے۔

شبیر احمد شاہ اور ڈاکٹر چیتنا پوکھریال کے مطالعے کا مقصد فیض کی شاعری میں پوشیدہ ان محرکات، جذباتی تنازعات، اور سماجی عوامل کو سمجھنا ہے جن سے فیض کی تخلیقات فنی کمال کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہیں۔

پیش نظر شمارے میں اردو نظم و نثر کے انگریزی تراجم بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اطالوی اسکالر ماریا کسادئی نے ترجمے کے لیے جدید دکنی کے شاعر نذیر احمد دہقانی (۱۹۴۹-۱۹۰۸) کا انتخاب کیا ہے۔ ان کا تصور ہے کہ بیسویں صدی کے دوران لکھنے والے شاعروں کی ایک پوری نسل کا رہنما مانے جانے کے باوجود دہقانی کی خدمات پر اسکالرز نے مناسب توجہ نہیں دی ہے۔ دہقانی کی نظم "شاعر اور برسات" کا ترجمہ ان کے اسلوب اور موضوعات کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ اہم ہے

کہ ایک اطالوی اسکالر نے دکنی زبان کے شاعر کو اپنا موضوع بنایا اور اس کی نظم کا انگریزی ترجمہ بھی قلمبند کیا۔

مبشر کریم کا خیال ہے کہ مختلف زبانوں میں فیض کی شاعری کا وسیع پیمانے پر ترجمہ کیا گیا لیکن ان کی نثر پر توجہ نہیں دی گئی۔ ترجمہ کے لیے انھوں نے فیض کا جو مضمون منتخب کیا ہے وہ جنوبی ایشیا میں فلم پروڈکشن کے نظریات اور اس کی ثقافت سے متعلق ہے۔ مترجم کا تصور ہے کہ یہ مضمون فیض کی جمالیاتی حس کے نئے دریچے وا کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ثاقب نے کلیم عاجز کی نمائندہ غزلوں کو انگریزی کے قالب میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عاجز کے یہاں درد و غم کی متنوع کیفیات ایسے خزانے کی مانند ہیں جو شاعر کو تو عزیز ہیں لیکن شاعر نہیں چاہتا کہ کسی اور کو زخموں کی ایسی سوغات نصیب ہو۔

غضنفر کی تخلیقات معاشرے کی حرکیات، اس کی پیچیدگیوں اور بنیادی مسائل کے گرد گھومتی ہیں۔ زینب فاطمہ نے ترجمہ کے لیے ان کی مختصر کہانی "سر سوتی اسنان" کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ یہ قارئین کے سامنے زندگی کا ایک ایسا منظر پیش کرتی ہے جو در حقیقت زندگی کی تہوں میں موجود دنیا کی ایک جھلک ہے۔

اردو حصے کی ابتدا پروفیسر اگنیئشکا کچکیوچ فراش کے مقالے سے کی گئی ہے۔ کلیدی نکتہ یہ ہے کہ "امراؤ جان ادا" سے متعلق تانیثی مباحث میں اس پہلو پر مناسب توجہ نہیں دی گئی کہ اردو ادب میں تانیثیت کی تحریک کے آغاز سے زمانہ قبل رسوا نے اس ناول میں امراؤ کی زبان سے عورتوں کے جنسی شعور، جنسیت، جنسی آزادی اور جنسی سرگرمیوں سے متعلق ایسے بیانات پیش کیے ہیں جن کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسے اردو میں نسائی شعور یا تانیثیت اور جنسیت کے موضوع کو متعارف کرانے میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ موصوفہ کا استدلال ہے کہ رسوا کی اس فنکاری سے اردو ادب میں بے حیائی اور فحاشی بڑی حد تک قابل قبول بن گئے تھے۔ انھوں نے ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ "امراؤ جان ادا" کا پولش میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ اس کی اشاعت ۲۰۱۱ میں ہوئی تھی۔

نقی احمد ارشاد سید علی محمد شاد عظیم آبادی کے پوتے تھے۔ وہ عظیم آباد کے نباض اور مؤرخ بھی تھے۔ ان کا مضمون عظیم آباد کے نامور شاعر نواب اشرف علی خان فغاں کے شعری مجموعے کی اشاعت کے بعد لکھا گیا۔ اس مجموعہ کی تدوین سید صباح الدین عبد الرحمٰن نے کی تھی۔ یہ پہلا مضمون تھا جو اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد شائع ہوا جس میں مصنف کی طرف سے بہت سی ایسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو کتابوں میں محفوظ نہیں ہیں۔ اس اہم تحریر کے حوالے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

سید جلال الدین حیدر کا ایک سفر نامہ بعنوان "سفر شیراز" ان کی کتاب "خود نوشت سوانح عمری و سفر نامہ" میں شامل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس سے برسوں قبل ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء کے دوران ایک رسالے میں بھی موصوف کے لکھے سفر نامۂ شیراز کی اشاعت ہوئی تھی جس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ پیش نظر سفر نامہ اسی اشاعت پر ترتیب دیا گیا ہے۔

پروفیسر فاطمہ رضوی نے جس انہماک اور جانفشانی کے ساتھ اس شمارے کے انگریزی حصے کی صورت گری کے لیے محنت کی ہے اس کے لیے آفرین صد آفریں۔

ہمیں خوشی ہے کہ امسال پروفیسر چندر شیکھر، سینئر پروفیسر و سابق صدر، شعبۂ فارسی و مرکز برائے وسط ایشیائی مطالعات، دہلی یونیورسٹی نے ہماری دعوت پر "اردو اسٹڈیز" کی مجلس مشاورت میں شامل ہونا قبول کیا۔ پروفیسر انیس الرحمن اور پروفیسر شافع قدوائی نے ہمیشہ ہی خلوص و محبت کے ساتھ ہماری رہنمائی کی ہے۔ ابتدا سے ہی "اردو اسٹڈیز" کو پروفیسر مرسیاہر مینسن، پروفیسر مہر افشاں فاروقی، پروفیسر ناصر عباس نیر اور پروفیسر اگنیشکا کچیوچ فراش کا تعاون حاصل ہوتا رہا ہے۔ تمام اصحاب فکر و نظر کے مشوروں اور تعاون کے لیے ہم سراپا سپاس ہیں!

"اردو اسٹڈیز" اپنے تمام قلمی معاونین کی بصیرت انگیز تحقیق اور فکر انگیز تجزیہ کے لیے ان کا شکر گزار ہے۔ ہمیں آپ کے مشوروں کا انتظار رہے گا۔

ارشد مسعود ہاشمی